

نبیلہ عزیز

قصہ ایک ساحل کا

ماورا مرتضیٰ، عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ ماورا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔ فارہ کی والدہ منزہ رحیم اپنی بہن ثمینہ یزدانی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ آفاق انہیں ایئر پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً "ساشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ آفاق کی بدتمیزی پر خفا ہو کر واپس چلی جاتی ہیں۔

منزہ، ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حسنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولید کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور ڈھکے چھپے لفظوں میں ولید سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولید انجان بن جاتا ہے۔

آفاق فون کر کے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ بہت روتی ہے۔ ثمینہ اور اشتیاق یزدانی کو علم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ ثمینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔



اشتیاق یزدانی 'آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ عزت 'تیمور کے موبائل سے ولید کا نمبر لے کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر 'تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔ ماورا 'عافیہ بیگم کی ناراضی کے باوجود چلی جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیات ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا بی گل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بی گل دم بخود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر 'ماورا کے قریب آنے کی کافی کوشش کرتا ہے مگر ماورا کا سخت اور کھردرا رویہ ہر بار اسے ناکام کر دیتا۔ تیمور 'ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر باوجود کوشش کے وہ سمجھ نہیں پاتے۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات قیام مرزا کے بیٹے مونس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت بیزار ہوتی ہے جبکہ مونس خوب دلچسپی لیتا ہے۔

آفاق آدھی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر بتاتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لیے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر بتائے چلا گیا تھا۔ مگر فارہ اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور 'فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آفس میں ایک شاندار پیکج پر جاب کی پیشکش کرتا ہے جسے ماورا کافی حیل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

— ۱۲ —
بارہویں قسط

کراچی ریلوے اسٹیشن پہ بے حد رش تھا۔

طرح طرح کی آوازیں اور طرح طرح کی بولیاں سنائی دے رہی تھیں۔

لیکن اس بہت زیادہ رش اور افراتفری کے باوجود عافیہ بیگم پچیس سال پیچھے چلی گئی تھیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے پچیس سال پہلے کا وہ کرب ناک منظر تازہ ہو گیا تھا جب بی گل نے گھٹ گھٹ کے روتی عافیہ بیگم کو بڑی مشکلوں سے سہارا دے کر ٹرین میں سوار کیا تھا اور عافیہ بیگم کراچی شہر کی سرزمین سے جدا ہوتے ہوئے تڑپ گئی تھیں۔ اور وہ یونہی روتے ہوئے ٹرین کی چھک چھک کی آواز کے ساتھ اس شہر سے چلی گئی تھیں اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس شہر سے دور ہوتی گئیں۔

اور آج ایک طویل عرصے بعد عافیہ بیگم کراچی شہر کی سرزمین پہ پاؤں ٹکاتے ہوئے حوصلہ مجتمع نہیں کر پا رہی تھی۔

"بہن جی۔۔۔! راستہ دیجیے۔" ٹرین کے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی عافیہ بیگم کو ایک آدمی نے متوجہ کیا تھا۔ وہ چونک کر ایک طرف ہو گئیں۔

"امی پلیز۔۔۔ کب تک کھڑی رہیں گی۔ لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔ پلیز نیچے آئیے۔" ماورا نے ذرا خفگی سے کہتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑا۔ انہوں نے آہستگی سے گردن موڑ کر بی گل کی سمت دیکھا۔ اس وقت بی گل کے علاوہ کوئی ان کے جذبات نہیں سمجھ سکتا تھا۔ ان کی سگی بیٹی بھی نہیں۔

اسی لیے بی گل نے اس بار بھی ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں اسی پرانے مضبوط سہارے کا سا احساس دلایا تو اور عافیہ بیگم قدرے سنبھل گئیں۔

"امی۔۔۔!" ان کا دوسرا مضبوط سہارا بھی ان کے ساتھ ہی تھا جب ہی انہوں نے اپنی آنکھوں کے نم گوشے پونچھتے ہوئے اپنے پاؤں ٹرین سے نیچے اتارے۔

"وصی مرتضیٰ۔۔۔!" ان کے دل سے اک ہوک سی اٹھی تھی اور یوں لگا جیسے پورے شہر میں پھیل گئی ہو۔

"ماورا۔۔۔!" اک بہت ہی پرجوش سی پکار تھی 'جو اتنے زیادہ شور کو چیرتی ہوئی ان تک پہنچی تھی۔ ان تینوں نے بیک وقت چونک کر اس جانب دیکھا۔

فارہ اور آفاق اتنے ہجوم میں رستہ بناتے ہوئے ان ہی کی طرف آ رہے تھے۔

"ماورا۔۔۔!" فارہ قریب آتے ہی اس سے لپٹ گئی۔ ماورا نے بھی اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" ماورا نے بہت اپنائیت سے پوچھا اور فارہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"میں جیسی بھی تھی 'مگر اب بالکل ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی ہوں کیوں کہ تم یہاں آگئی ہو 'آج تمہارا نہیں 'میرا خواب پورا ہو گیا ہے۔" فارہ چہکتے ہوئے بولی۔

"سیم ہیر ڈیر۔۔۔! میری فیلنگز بھی کچھ ایسی ہی ہیں۔ اینی وے۔۔۔ السلام علیکم آفاق بھائی۔۔۔!" ماورا ذرا ہٹ کے کھڑے آفاق کی طرف متوجہ ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! کیسی ہیں آپ؟" آفاق بھی فارہ کی خوشی میں خوش تھا۔

"السلام علیکم آنٹی۔۔۔! السلام علیکم بی گل۔۔۔! کیسے ہیں آپ لوگ۔ سفر کیسا رہا؟" فارہ عافیہ بیگم کے مزاج کے پیش نظر ذرا جھجکتے ہوئے ہی ان سے مخاطب ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔!" عافیہ بیگم مختصر سا جواب دے کر چپ ہو گئیں۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! جیتی رہو 'خوش رہو 'اللہ سدا سہاگن رکھے۔۔۔! ہم بھی اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک ہیں اور سفر بھی الحمد اللہ بہت اچھا گزرا ہے۔" دعا سلام کی باقی کسر بی گل نے پوری کر دی تھی اور فارہ سر جھکا کے رہ گئی۔

"لائیے آنٹی۔۔۔! سامان مجھے دیجیے 'میں گاڑی میں رکھواتا ہوں 'آپ لوگ چلیے گاڑی میں بیٹھیے۔" آفاق نے آگے بڑھ کر عافیہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑا بیگ تھاما۔

"آئیے بی گل۔۔۔!" فارہ انہیں ساتھ لے کر ریلوے اسٹیشن کے خارجی دروازے کی طرف بڑھی۔ ان کا باقی سامان آفاق نے ڈرائیور اور قلی سے گاڑی میں رکھوایا۔

فارہ انہیں اپنے ساتھ لے کر پہلے آگئی تھی اور آفاق ان کے پیچھے ان کا سامان دوسری گاڑی میں لے کر آیا تھا۔

فلیٹ کی چابی فارہ کے پاس تھی۔

فلیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی بی گل اور عافیہ بیگم کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

انتہائی وسیع و عریض اور لگژری فلیٹ ماورا مرتضیٰ کی توقع کے عین مطابق تھا۔ البتہ بی گل اور عافیہ بیگم کی توقعات سے بہت بڑھ کے تھا 'جس کی وجہ سے عافیہ بیگم کے دل میں اعتراض کا ابال اٹھا تھا 'مگر وقتی طور پر اس ابال کو دل میں ہی دبا گئی تھیں۔ کیوں کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا 'اب اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اعتراض کرنے اور نکتے اٹھانے سے کیا حاصل تھا۔ سو انہوں نے خاموشی بہتر جانی۔

"ٹھیک ہے فارہ۔۔۔! میں چلتا ہوں 'تم ڈرائیور کے ساتھ آجانا۔" آفاق دس پندرہ منٹ بیٹھنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ وہ دونوں سہیلیاں بہت عرصے بعد ملی ہیں اس لیے ان کی باتوں کو ابھی کچھ وقت لگے گا۔

"او کے تھینک یو۔۔۔ میں آجاؤں گی۔" فارہ حقیقتاً "آفاق کے اتنا ٹائم دینے پہ اندر سے بہت خوش ہوئی تھی۔

"تھینک یو آفاق صاحب۔۔۔! آپ نے ہمارے لیے اتنا ٹائم نکالا' اتنی مدد کی خوشی ہوئی کہ آپ اپنی بیوی کی فرینڈ کا اتنا خیال کر سکتے ہیں تو آپ اپنی بیوی کا بھی اسی طرح خیال رکھتے ہوں گے۔"

ماورا اسے دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی تھی اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے کرید بھی گئی تھی۔

آفاق جاتے جاتے ٹھہر گیا تھا۔

"ابھی تو مجھے اس کا خیال رکھنے کا وقت ہی نہیں ملا۔ البتہ یہ سچ ہے کہ ہر وقت اسی کے خیال میں رہتا ہوں۔"

آفاق کے لہجے میں محبت تھی۔

"اچھا۔۔۔ تو وقت کب ملے گا؟" وہ آفاق کا چہرہ کھوج رہی تھی۔

"وقت ملا تو بتاؤں گا آپ کو۔۔۔ فی الحال اجازت چاہتا ہوں۔" آفاق آہستگی سے مسکرایا اور ماورا خدا حافظ کہہ کر اسے رخصت کرکے اندر آگئی۔

تھوڑی دیر بعد ان لوگوں نے مل کر کھانا کھایا تھا اور کھانے کے آخری مرحلے پہ ماورا نے عافیہ بیگم کے کلیجے پہ ہاتھ ڈال دیا۔

"میں قبرستان جا رہی ہوں۔۔۔ بابا کی قبر پہ۔۔۔" وہ پانی کا گلاس ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولی بڑے اطمینان سے' لیکن عافیہ بیگم کے حلق میں پانی اٹک گیا۔ بی گل نے بھی بری طرح چونک کر اس سمت دیکھا تھا۔ وہ کرسی دھکیل کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو چکی تھی۔

"ماورا۔۔۔!" بی گل کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

"بی گل۔۔۔! میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں اور اپنے بابا سے بھی پہلی بار ہی ملوں گی۔ مجھے ان سے ملے بغیر رات کو نیند نہیں آئے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ میں فارہ کے ساتھ ہی چلی جاؤں۔ بعد میں کس کے ساتھ جاؤں گی۔۔۔؟" اس کی لاپروائی اور اطمینان ہنوز تھا۔

"لیکن تمہیں قبر کا کیسے پتا؟"

"میرے پاس آپ کی ڈائری محفوظ ہے' ساری معلومات مل جائیں گی۔" وہ سکون سے کہتی پلٹ گئی۔

"لیکن ماورا۔۔۔!" عافیہ بیگم کے آنسو چھلک پڑے۔۔۔ وہ ٹھہر گئی۔

"امی۔۔۔! مجھے جانے دیں پلیز۔۔۔ میرا نہیں تو ان کا ہی کچھ خیال کرلیں۔ اتنے سال بیت گئے ہیں کوئی ان کی قبر پر نہیں گیا ہوگا۔ اور اب آپ۔۔۔ آپ مجھے بھی روک رہی ہیں۔ پلیز۔۔۔! ایسا مت کریں۔۔۔ مجھے جانے دیں۔ کل میں آپ کو اور بی گل کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

ماورا کا لہجہ روہانسا سا ہو گیا تھا اور فارہ کے ساتھ ساتھ بی گل اور عافیہ بیگم نے بھی اسے اس روپ اور اس کیفیت میں پہلی بار دیکھا تھا' ورنہ انہوں نے آج تک اس کی آنکھ نم نہیں دیکھی تھی اور نہ ہی اس کی آواز کبھی بھیگی ہوئی محسوس کی تھی۔

شاید یہی وجہ تھی کہ عافیہ بیگم نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور ماورا ان کی تسلی کے لیے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبا کر فارہ کے ساتھ فلیٹ سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

کراچی کی سڑکوں پہ بھاگتی دوڑتی گاڑی اور پیچھے کی طرف رواں مناظر ماورا مرتضیٰ کے لیے بے شک نئے تھے' لیکن اجنبی پھر بھی نہیں تھے۔

یہ سڑکیں' یہ گاڑیاں' یہاں کے لوگ اور یہاں کی طرز زندگی سب کچھ اسے بہت جانا پہچانا اور اپنا اپنا سا لگ رہا تھا اور اک عجیب سا سکون تھا جو اس کی رگ و پے میں اترتا محسوس ہو رہا تھا' یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی ادھوری زندگی آج مکمل ہو گئی ہو۔

آج وہ پرائے شہر سے اپنے شہر میں آبسی تھی' آج اس کا اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور اس کے ارادے اور بھی پختہ ہو گئے تھے۔ کیوں کہ آج وہ اپنی منزل کے راستے پہ پہلا قدم رکھ چکی تھی۔

"کیسا فیل کر رہی ہو۔۔۔؟" ماورا کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی' جب فارہ کے سوال پہ اسے فارہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

"آج میری کچھ ایسی فیلنگز ہیں جنہیں میں شاید کبھی بھی لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔" ماورا کی کیفیت آج واقعی بہت عجیب سی ہو رہی تھی اور آج واقعی اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔! آئی کین انڈر اسٹینڈ۔۔۔!" فارہ نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"تیمور بھائی کا کوئی فون وغیرہ آیا تمہارے پاس۔۔۔؟" فارہ نے موضوع بدلا۔

"نہیں۔۔۔!" اس کا ایک لفظی جواب اس کے موڈ کی عکاسی کر رہا تھا۔

"تو کیا تم نے بھی نہیں بتایا کہ تم کراچی پہنچ گئی ہو؟" فارہ جان بوجھ کر اس موضوع پہ بات کرنا چاہتی تھی۔

"تم جو کچھ پوچھنا چاہتی ہو' سیدھے طریقے سے پوچھ لو تو زیادہ بہتر رہے گا۔ اس طرح پہیلیاں بجھوانے کی اور بات کو گھمانے پھرانے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔؟" ماورا بہت نپے تلے سے لہجے میں بولی تھی کیوں کہ وہ فارہ کی بات کا مقصد سمجھ چکی تھی۔

"نہیں' ایسی بات نہیں۔ بس بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہی ہوں جو کہ مجھے مل ہی نہیں رہے۔" فارہ بھی لائن پہ آہی گئی تھی۔

"میں سوچتی ہوں لوگ پتا نہیں کیوں مناسب وقت اور مناسب الفاظ کی تلاش میں رہتے ہیں؟ جو وقت ان کے پاس موجود ہوتا ہے اور جو الفاظ انہیں میسر ہوتے ہیں وہ انہیں مناسب کیوں نہیں بناتے۔" ماورا تلخ ہوئی تھی۔

"تم اس چیز کو نہیں سمجھ سکتیں کیوں کہ تم اپنا ایک الگ مزاج اور الگ نظریہ رکھتی ہو جبکہ ہم اس دنیا میں رہ کر اس دنیا کے ساتھ چلنے والے لوگ ہیں' ہمیں مناسب اور غیر مناسب کا فرق دیکھنا ہی پڑتا ہے۔" فارہ نے اپنی سوچ بیان کی۔

"پھر بھی مجھ سے زیادہ آپ لوگ پریشان رہتے ہو۔ مناسب اور غیر مناسب کا فرق دیکھنے کے باوجود بھی۔۔۔" اس نے طنز کیا۔

"بس یہی تو زندگی ہے۔" فارہ نے کندھے اچکائے۔

"لیکن میری نظر میں یہ زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ انسان کو اپنی ذات اور اپنی سوچ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ دنیا تو دو دھاری تلوار ہے۔ نجانے کب کس طرف سے وار کر جائے' دنیا کو رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے بہتر ہے کہ اپنی ذات کا رنگ اپناؤ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا تمہاری پہچان بن کر۔۔۔"

ماورا کا فلسفہ اور دلیلیں ہمیشہ ہی ایسی ہوتی تھیں کہ فارہ کو چپ ہونا ہی پڑتا تھا یا پھر یہ کہنا بھی ٹھیک رہے گا کہ فارہ کو قائل ہونا ہی پڑتا تھا۔

"خیر چھوڑو۔۔۔! تم اپنی بات مکمل کرو۔۔۔" ماورا نے بات کرنے کے لیے اس کا حوصلہ بڑھایا اور فارہ اپنے آپ کو کمپوز کرنے لگی۔

"میں تیمور بھائی کے متعلق بات کرنا چاہ رہی تھی۔" اس نے الفاظ مناسب کر ہی لیے تھے۔

"ہوں۔۔۔ !کروبات۔۔۔ سن رہی ہوں۔" وہ سنجیدگی سے متوجہ ہوئی۔

"تمہیں پتا تو ہوگا کہ تیمور بھائی تمہارے لیے کیا فیلنگز رکھتے ہیں اور یہ سب وہ کیوں کر رہے ہیں؟" فارہ پہلے ہی سب کچھ واضح کردینا چاہتی تھی کیوں کہ اسے ماورا کے مزاج کا بخوبی علم تھا' اسی لیے اس کے ذہن میں کھٹکا سا تھا کہ ماورا تیمور حیدر کے لیے وہ جذبات ہرگز نہیں رکھتی جو وہ اس کے لیے رکھ رہا ہے۔

"ہاں۔۔۔ !" پتا ہے کہ وہ کیا فیلنگز رکھتا ہے اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔" اس نے ڈنکے کی چوٹ پہ اعتراف کیا تھا۔

"پھر۔۔۔؟" فارہ تذبذب کا شکار ہونے لگی۔

"پھر کیا۔۔۔ جو کہنا ہے' کھل کے کہو۔" ماورا بہت پرسکون تھی۔

"پھر یہ کہ تمہاری کیا فیلنگز ہیں ان کی فیلنگز کے متعلق؟" اس نے پوچھ ہی ڈالا تھا۔

"سچ سننا چاہتی ہو؟" ماورا کا لہجہ دوٹوک اور بے دھڑک تھا۔

"ظاہر ہے۔۔۔ جھوٹ سننے کا خواہش مند تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔" فارہ نے کندھے اچکائے۔

"ہوتے ہیں تیمور حیدر جیسے کچھ لوگ۔۔۔ وقتی خوشی کے لیے جھوٹ سننے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔" ماورا نے تلخی سے سر جھکا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ ہر سوال اور ہر جواب کے بعد الجھتی ہی جارہی تھی۔

"فارہ۔۔۔ !تیمور حیدر مجھ میں انٹرسٹڈ ہے لیکن میرا سچ یہ ہے کہ میں تیمور حیدر میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی ہو سکتی ہوں۔" ماورا نے اپنے ازلی' دوٹوک انداز میں جواب دے کر فارہ کو تڑپا دیا تھا۔

"کیوں۔۔۔ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟" فارہ کی تڑپ اس کے لہجے سے ہی محسوس ہو رہی تھی۔

"کیوں کہ مجھے معلوم ہے۔ میرے اندر کبھی بھی تیمور حیدر کے لیے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔" اس کا لہجہ اور انداز ہنوز تھے' دوٹوک' مضبوط اور بے لچک۔۔۔

"دیکھو ماورا۔۔۔ !تم بہت ہوشیار سہی' لیکن تھوڑی بہت عقل تو اللہ نے ہمیں بھی دے ہی رکھی ہے اور ہماری عقل اور ہمارا مشاہدہ تو یہی کہتا ہے کہ کبھی بھی کسی چیز کا اور کسی بات کا دعوا عمر بھر کے لیے نہیں کرنا چاہیے۔ ہم کیسے کہہ سکتی ہو کہ تمہارے اندر کبھی بھی تیمور بھائی کے لیے کوئی جذبات پیدا نہیں ہو سکتے؟ زندگی میں انسان پتا نہیں کیا کیا دعوے کرتا ہے' لیکن جب اللہ انہیں پورا نہیں کرنا چاہتا تو سب دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔۔۔ تم کہاں تھیں۔۔۔ فیصل آباد میں اور تیمور بھائی کہاں تھے۔ کراچی میں۔۔۔ کیسے تم لوگوں کی ملاقات ہوئی۔۔۔ کیسے رابطہ بڑھا اور تم آج اسی تیمور حیدر کی وجہ سے کہاں سے کہاں پہنچی ہو۔ اگر سوچو تو یہ سب بھی تو اللہ کی ہی کرم نوازیاں ہیں نا؟ ورنہ تم وہی لڑکی ہو جس نے آج تک کسی لڑکے سے بات تک نہیں کی' کسی سے مراسم نہیں رکھے' کسی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا' لیکن تیمور حیدر کو نمبر بھی دے دیا' بات بھی کرلی اور مراسم بھی بڑھا لیے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدل جاتا ہے' جذبات پیدا ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اس کی مثال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔ تیمور بھائی کو آج تک لڑکیوں میں کوئی انٹرسٹ نہیں رہا' لیکن جب انٹرسٹ ہوا ہے تو اپنی زندگی کے ہر مقام' ہر معیار اور ہر اصول کو ہی بھول گئے ہیں' لگتا ہی نہیں کہ وہ وہی تیمور حیدر ہیں' جو اپنے کام سے کام رکھتے تھے' جن کے لیے ان کا بزنس ہی سب کچھ تھا اور آج۔۔۔"

فارہ کہتے کہتے چپ ہوگئی تھی۔ اور چپ تو ماورا بھی تھی' لیکن اس کی چپ کے پیچھے بہت سے جواب مچل رہے تھے' جن کو وہ بڑی مشکل سے قابو کیے ہوئے تھی۔

"اس لیے میرا مشورہ یہی ہے کہ اپنے پہلو میں دھڑکتے پتھر کو ذرا نرم رکھو' تاکہ اس کے چاہنے والوں کو اس کے ساتھ ۔۔۔ ٹکرا ٹکرا کر سر نہ پھوڑنا پڑے۔" آج فارہ اسے مشورہ دے رہی تھی۔

"فارہ۔۔۔ !مجھے افسوس ہے کہ میں تیمور حیدر کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی۔" ماورا کے اس قدر بے مہر جواب پہ فارہ ایک بار پھر تڑپی تھی اور اس نے چونک کر ماورا کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"میری تیمور حیدر سے ملاقات ہوئی' یہ ایک اتفاق تھا۔ میری اس سے بات ہوئی' وجہ تم تھیں' کیوں کہ وہ تمہارا کزن تھا۔ رابطہ کیوں بڑھا۔۔۔ اس کے پیچھے میری ایک سوچ تھی اس نے مراسم بڑھائے' اور میں نے اپنا مقصد بڑھا لیا' اس نے میرے قریب رہنے کے لیے مجھے جاب آفر کی' میں نے اس سے دور رہنے کے لیے سرسری سا انکار کردیا' اس نے مجھے فورس کیا' میں مان گئی' وہ مجھے یہاں دیکھنا چاہتا تھا' میں آگئی' وہ مجھے نہیں جانتا' لیکن تم تو مجھے جانتی ہو نا۔۔۔؟ اور جب تم مجھے جانتی ہی ہو تو یہ بات تمہاری عقل میں کیوں نہیں آرہی کہ تمہاری دوست ماورا مرتضیٰ جو کبھی کسی کے ساتھ فری نہیں ہوئی' جس نے کبھی کسی کے ساتھ بات تک نہیں کی' جس نے کبھی کسی کو نمبر نہیں دیا' جس نے کبھی کسی کے ساتھ مراسم نہیں بڑھائے اور جو کبھی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹی' وہ اگر ایسا کر رہی ہے تو کیوں کر رہی ہے؟ محبت میں کر رہی ہے یا اپنے مفاد میں کر رہی ہے؟"

ماورا کہتے کہتے حد سے زیادہ تلخ ہو گئی تھی جبکہ فارہ اس کی بات کے آخری جملے پہ گنگ سی رہ گئی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ !تمہیں تیمور حیدر کی محبت تو نظر آگئی' لیکن میرا مفاد نظر نہیں آیا۔" ماورا نے سر جھٹکا۔

"بی گل کہتی ہیں کہ جب ایک انسان کے ذہن میں محبت سما جاتی ہے یا مفاد سما جاتا ہے تو وہ کچھ بھی کر گزرتا ہے اور یہ بات جب میں نے تیمور حیدر اور ماورا مرتضیٰ کو سامنے رکھ کے سوچی ہے تو مجھے سو فیصد سچ لگی ہے' میں واقعی تیمور حیدر کے اصرار یا اس کی محبت سے مجبور ہو کر یہاں نہیں آئی' میں اپنے مقصد' اپنے مطلب اور اپنے مفاد کو سامنے رکھ کر یہاں آئی ہوں۔"

ماورا نے کوئی بھی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف صاف کہہ دیا تھا جس کو سمجھنا فارہ کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا' وہ الجھی ہوئی اور نا سمجھ سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی' اسے آج اپنے سامنے وہی ماورا نظر آرہی تھی' ضدی' اٹل اور پتھریلی چٹان سی مضبوط۔۔۔ !

"مفاد۔۔۔ کیسا مفاد ماورا۔۔۔؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔۔۔؟" فارہ کا سوال بھی الجھا ہوا سا تھا۔

"تیمور حیدر بہت اچھا آدمی ہے' صاف سادہ اور سچا کھرا' کردار بھی مضبوط ہے اور پرسنالٹی بھی ایک آئیڈیل پرسنالٹی ہے۔ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے کوئی بھی لڑکی اس پہ بڑی آسانی سے فدا ہو سکتی ہے' کیوں کہ وہ ہے ہی ایسا۔۔۔ لیکن معذرت کے ساتھ کہ وہ لڑکی ماورا مرتضیٰ نہیں ہو سکتی۔" اس نے بہت آہستگی اور بہت تحمل سے کہتے ہوئے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"لیکن ماورا۔۔۔ !" فارہ ہکا بکا سی ہو چکی تھی اسی لیے اس کے کچھ پلے نہیں پڑ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور وہ کیا سن رہی ہے؟

"دیکھو فارہ۔۔۔ !میں نے کہا نا' تیمور حیدر بہت اچھا آدمی ہے' میں اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے اسے سیڑھی نہیں بنانا چاہتی تھی' میں اپنے بل بوتے پہ سب کچھ کرنا۔۔۔ چاہتی تھی' اپنے پیروں پہ خود کھڑا ہونا چاہتی تھی' مگر میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی وہ باز نہیں آیا' وہ پیچھے نہیں ہٹا' وہ خود میرے لیے سیڑھی بن گیا۔ یہ سچ ہے کہ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا' آسانیاں کس کو اچھی نہیں لگتیں سو میرا اور اس کا ساتھ جڑ گیا ہے اس سفر میں۔۔۔ البتہ سفر ختم ہونے کے بعد اور منزل تک پہنچنے کے بعد اس سیڑھی' اس پاؤں اور اس منزل کا کیا انجام ہوگا' یہ تو اب وقت آنے پہ ہی پتا چلے گا۔ ہاں تم چاہو تو اس سیڑھی کو کھینچ بھی سکتی ہو۔" ماورا کی مبہم سی باتیں فارہ کو پاگل

کیے دے رہی تھیں۔

"میں۔۔۔؟" اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تم۔۔۔! کیوں کہ تمہارا اور اس سیڑھی کا تعلق بھی تو بہت گہرا ہے۔۔۔"

"ماورا پلیز۔۔۔! خدا کے لیے۔۔۔ مجھے صاف صاف بتاؤ۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ اصل وجہ کیا ہے اس قصے کی؟" فارہ بے چاری جھنجلائی۔

"بتادوں۔۔۔؟" اس نے تصدیق چاہی۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے فوراً اثبات میں جواب دیا۔

"چلو آؤ۔۔۔ بتاتی ہوں تمہیں اور دیکھتی ہوں کہ تمہارا تعلق کس کے ساتھ زیادہ گہرا ہے؟ سیڑھی کے ساتھ؟ پاؤں کے ساتھ؟ یا منزل کے ساتھ۔۔۔؟ اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ یہ سب میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ میں تمہیں اپنی بہت اچھی اور بہت گہری دوست سمجھتی ہوں اور دوستی میں، میں اپنی دوست کو دھوکا نہیں دینا چاہتی اور نہ ہی آئندہ کبھی دوں گی۔"

ماورا انتہائی سخت لہجے میں کہتی ہوئی فارہ کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی سے اتر آئی تھی کیوں کہ ڈرائیور قبرستان کے باہر گاڑی پارک کرچکا تھا۔

اور ماورا قبرستان کے پہرے دار سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد اور تھوڑی بہت انفارمیشن لینے کے بعد فارہ کو ساتھ لیے اندر آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے بہت دنوں سے اپنے لیے بوتیک پہ کچھ شرٹس اور کچھ کرتوں کا آرڈر دے رکھا تھا۔ اور آج وہ آرڈر تیار ہوچکا تھا اسی لیے وہ ڈزائنر کی کال پہ یونیورسٹی سے فری ہوتے ہی بوتیک چلی آئی تھی۔ وہ اپنے تمام ڈریسز ٹرائی کرکے دیکھ ہی چکی تھی جب اچانک ایک لڑکی کے ساتھ مونس مرزا بوتیک کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

اور جہاں وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی، وہیں وہ بھی اسے دیکھ کر چونک گیا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے مخاطب کرنے کی کوشش کرتا، عزت فوراً "رخ موڑ کر ڈزائنر کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"یہ سارے پیک کردیں۔۔۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔۔۔" اس نے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور اپنے بیگ سے بل نکال کر ادائیگی کرنے لگی۔

"ایکسکیوزمی مس عزت۔۔۔!" وہ بیگ لے کر بوتیک سے نکلی ہی تھی کہ مونس مرزا بھی اس کے پیچھے لپکا۔

"سوری۔۔۔! میرے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔۔۔ مجھے جلدی ہے۔" وہ رکی نہیں تھی۔

"یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں، میرے پاس بھی زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ مجھے بھی جلدی ہے۔" وہ کہتے ہوئے یکدم اس کے سامنے آگیا تھا اور عزت کو ایک دم رک جانا پڑا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب کہ میں اپنے پیرنٹس کو آپ کے گھر بھیج رہا ہوں۔" مونس مرزا نے مارکیٹ میں کھڑے کھڑے اس کے سر پہ بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھل کے رہ گئی تھی۔

"کیا۔۔۔؟" عزت کی آواز خاصی بلند تھی۔

"یس۔۔۔! ان فیکٹ میں کسی بھی معاملے کو یا کسی بھی سلسلے کو زیادہ طول دینے والا آدمی نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں ہر کام بس منٹوں میں ہوجائے اور اس معاملے میں تو مجھ سے ویسے ہی صبر نہیں ہورہا۔" وہ ہمیشہ کی طرح آخر میں ذومعنی بات کہہ گیا تھا۔

"دیکھیے مسٹر مونس مرزا۔۔۔! معاملے کو طول دینے کی عادت تو مجھے بھی نہیں ہے، اس لیے آپ کو پہلے سے ہی سمجھا رہی ہوں کہ اپنے پیرنٹس کو میرے گھر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ورنہ ان کو جو جواب میں دوں گی، وہ آپ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔"

عزت نے اسے اپنے ازلی منہ پھٹ طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"کیوں۔۔۔ جواب کیوں دیں گی آپ؟ کوئی خاص ریزن؟" اس نے عزت کو سرتاپا بڑے غور سے دیکھا اور کھوجنا چاہا تھا۔

"یہی سمجھ لیں۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"ہوں۔۔۔ لیکن میں ریزن ختم کرنا بھی جانتا ہوں۔" مونس مرزا نے دھمکی دینے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور عزت کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"جسٹ اسٹاپ اٹ۔۔۔! میں اس طرح کی بکواس سننے کی عادی نہیں ہوں بہتر ہے آپ اپنی لمٹ میں ہی رہیں اور آئندہ میرے بارے میں سوچیں بھی مت۔۔۔ کیوں کہ میں آل ریڈی کسی اور کے بارے میں سوچتی ہوں۔۔۔ مجھے آپ۔۔۔؟" وہ غصے سے پاؤں پٹخ کر کہتی وہاں سے ہوا ہوگئی تھی اور مونس مرزا وہیں کھڑا اس کی پشت گھورتا رہ گیا تھا۔

"کون تھی یہ لڑکی؟" مونس مرزا کی گرل فرینڈ بوتیک سے نکل کر اس کے قریب آگئی۔

"عزت حیدر۔۔۔!" مونس مرزا نے اپنی سوچ کی گہرائی سے واپس آتے ہوئے بتایا۔

"اوہ۔۔۔! تو یہ ہے تمہاری عزت حیدر۔۔۔؟" اس کی گرل فرینڈ اس کا غائبانہ تعارف سن چکی تھی۔

"ہاں۔۔۔! یہ ہے میری عزت حیدر۔۔۔ میرے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا اور پلٹ کر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ شاپنگ مال کی سیڑھیاں چڑھ گیا تھا، لیکن دھیان ابھی بھی عزت کی طرف ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماورا۔۔۔!" فارہ کے ہونٹ کپکپائے تھے۔

"تمہارا جو بھی فیصلہ ہو مجھے بتادینا۔۔۔ میں تمہاری دوستی کو کسی آزمائش کے ترازو میں نہیں تولنا چاہتی۔ باقی جو ہوگا۔ دیکھا جائے گا کیوں کہ میرا اللہ میرے ساتھ ہے میں ہمت نہیں ہاروں گی۔"

قبرستان سے واپسی پہ ماورا اپنا فیصلہ اسے سناتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی اور فارہ اس کے پیچھے کچھ کہنے کی ہمت کرتی رہ گئی۔

جبکہ ماورا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی مضبوط اور متوازن قدم اٹھاتی بلڈنگ کے اندرونی حصے کی طرف غائب ہوگئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کردی تھی اور پھر گھر آکر ہی بریک لگائے تھے۔

"بی بی جی۔۔۔ ہم گھر آگئے ہیں۔" ڈرائیور نے اسے ذہنی طور پہ غیر حاضر دیکھ کر خود ہی دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا۔

"ہوں۔۔۔" وہ الجھی ہوئی سی گاڑی سے اتر آئی تھی۔

"ارے فارہ۔۔۔ آگئی ہو بیٹا۔ ملاقات ہوگئی اپنی فرینڈ سے۔" ثمینہ یزدانی کہیں جانے کے لیے گھر سے نکل رہی تھیں۔ فارہ کو دیکھ کر وہیں گاڑی کے پاس ہی رک گئیں۔

"جی۔۔۔ ہوگئی ملاقات۔" وہ آہستگی سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔ ثمینہ یزدانی اس کی اتری ہوئی صورت دیکھ کر

ٹھٹک گئیں کیونکہ صبح گھر سے جاتے ہوئے تو وہ بے حد خوش تھی۔

"اسے کیا ہوا ہے غفور؟" انہوں نے اپنے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"مجھے کچھ خاص پتا تو نہیں ہے بیگم صاحبہ۔ بس اتنا علم ہے کہ بی بی جی اپنی دوست کے ساتھ قبرستان گئی تھیں' ان کے والد صاحب کی قبر پہ۔۔۔" ڈرائیور بے چارے کو جتنا علم تھا اس نے بتا دیا تھا اور ثمینہ یزدانی سر ہلا کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آفاق ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ جب اس کی نظر تیسری مرتبہ بھی فارہ کی سمت اٹھی تو اسے تیسری مرتبہ بھی ایک ہی پوزیشن میں بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے گم صم سے انداز میں بیٹھے ہوئے دیکھا اب کی بار وہ رہ نہیں سکا تھا اور اپنی آستین کے بٹن بند کرتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ کے اس کے قریب آگیا تھا اور اپنی پینٹ کو گھٹنوں سے پکڑ کے ذرا سا اوپر کھینچتے ہوئے اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھ گیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے فارہ کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ وہ ابھی ابھی سو کر اٹھی تھی۔ ابھی بستر پہ ہی تھی' مگر سوچوں کا گھوڑا نہ جانے کہاں سے کہاں دوڑ رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔؟" وہ چونک کر متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تم جب سے ماورا سے مل کر آئی ہو بہت چپ چپ اور گم صم سی ہو؟ سب ٹھیک تو ہے نا؟ اگر کوئی مسئلہ ہے' کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے شیئر بھی کر سکتی ہو۔۔۔" آفاق اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کے نرم سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ اور فارہ اس کے ایسے استفسار پہ بے ساختہ سر جھٹک کر سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

"نہیں۔۔۔ ایسی پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے' سب ٹھیک ہے' ان فیکٹ کل ہم لوگ ماورا کے بابا کی قبر پہ چلے گئے تھے۔ ماورا بہت اداس تھی اور رو بھی رہی تھی۔ اس لیے میں بھی اس کے دکھ پہ بہت دکھی ہو گئی تھی۔

کیونکہ میں نے زندگی میں پہلی بار ماورا کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔۔۔ ورنہ وہ ایسی اسٹرانگ لڑکی ہے کہ چھوٹی موٹی بات کا تو نوٹس ہی نہیں لیتی۔۔۔"

فارہ نے رسانیت سے آفاق کی تسلی کروا دی تھی اور وہ واقعی کسی نہ کسی حد تک مطمئن ہو ہی گیا تھا۔

"کیا واقعی یہی بات ہے؟" اس نے دہرا کے استفسار کیا۔

"جی۔۔۔ یہی بات ہے۔" فارہ اور بھلا کیا کہتی۔

"اوکے۔۔۔ تو پھر جلدی سے اٹھو اور فریش ہو جاؤ۔۔۔ میں آفس جاتے ہوئے تمہیں ماورا کی طرف ڈراپ کر دیتا ہوں۔۔۔ آج کا دن اس کے ساتھ رہو اور اس کو بھی فریش کرنے کی کوشش کرو۔۔۔ آج اس شہر میں اس کا پہلا دن ہے۔" آفاق اس کا ہاتھ تھپکتا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں اس کی طرف نہیں جا سکتی۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

"کیوں۔۔۔؟" آفاق پھر ٹھٹکا۔

"کیونکہ ماورا گھر پہ نہیں ہو گی۔۔۔ اس نے آج آفس جوائن کرنا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"ارے۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ تیمور اسے تھوڑا ٹائم تو دیتا۔" آفاق کو عجیب لگا تھا۔

"وہ تو ٹائم دینے کو تیار تھے لیکن ماورا ہی ٹائم نہیں لینا چاہتی تھی۔" فارہ بھی عجیب سے لہجے میں کہتی ہوئی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر آفاق کے جانے کے فوراً بعد اس نے فون اٹھا کر ماورا کا نمبر ڈائل کیا اور اپنا فیصلہ اس کے حق میں سنا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کا تعلق پاؤں کے ساتھ زیادہ گہرا ہے۔

☼ ☼ ☼

فارہ کی فون کال سننے کے بعد نجانے کیوں ماورا ایک دم سے جیسے پرسکون سی ہو گئی تھی اور اپنا سیل فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کے تیار ہونے کے لیے چلی گئی کیونکہ اس نے آفس جانا تھا۔

اور جیسے ہی وہ تیار ہو کر باہر نکلی' بی گل اور عافیہ بیگم اندر ہی اندر ہول کے رہ گئی تھیں۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔" بی گل نے بے ساختہ اس کی بلائیں لے ڈالی تھیں۔

"آج میرا پہلا دن ہے بی گل۔۔۔ میرے لیے دعا کیجیے گا۔" وہ بی گل سے کہتی ہوئی عافیہ بیگم کی سمت پلٹی۔ وہ اس کے سامنے سے ہٹنے ہی والی تھیں کہ ماورا نے یک دم ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"میری کامیابی کی طرف آج میرا پہلا قدم اٹھ رہا ہے اور آپ مجھ سے رخ موڑ رہی ہیں۔۔۔ کیا ماَئیں ایسا کرتی ہیں؟ آپ اس طرح کریں گی تو مجھے ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے پلیز۔۔۔ میرے لیے دعا کیجیے۔۔۔ میں ہمیشہ کہتی ہوں مجھے آپ کی دعا کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔۔۔ آپ کی دعا میرے ساتھ ہو گی تو میں زندگی کے کسی بھی مقام پہ کسی سے بھی شکست نہیں کھاؤں گی۔۔۔"

ماورا کا لہجہ ہی کچھ ایسا ہو گیا تھا کہ عافیہ بیگم نے اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا اور پھر وہ دھاڑیں مار مار کر روئیں کہ بی گل اور ماورا اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ کل سے کراچی آئی ہوئی تھیں اور کل سے ہی ان کے اندر آنسوؤں کا اک غبار سا جمع تھا۔

"امی پلیز۔۔۔ سنبھالیں اپنے آپ کو۔۔۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ آپ بالکل بھی فکر مت کریں۔۔۔ آپ کو فخر ہو گا اک دن۔۔۔ دیکھ لیجیے گا۔۔۔ یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔"

وہ انہیں اپنے ساتھ بھینچے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر تسلی دے رہی تھی اور وہ بھی بے تحاشا رونے دھونے کے بعد ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر سنبھل گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"آئیے میڈم۔۔۔" وہ تھرڈ فلور سے اتر کر نیچے آئی ہی تھی کہ ایک باوردی ڈرائیور بڑی مستعدی سے اس کی طرف بڑھا اور گاڑی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"آپ۔۔۔؟" ماورا ٹھٹکی۔

"مجھے سر تیمور حیدر نے بھیجا ہے۔ حیدر گروپ آف انڈسٹریز کی طرف سے۔۔۔ جب تک آپ ڈرائیونگ نہیں سیکھ لیتیں۔ آپ کو پک اینڈ ڈراپ دینے کی ڈیوٹی میری ہے۔"

ڈرائیور نے آگے بڑھ کے اپنا تعارف کروایا تھا اور ماورا سر ہلاتی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی گاڑی کے قریب آگئی۔ ڈرائیور نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا اور پھر اپنے گھر سے آفس تک وہ تیمور حیدر کے متعلق ہی سوچتی ہوئی آئی تھی اور آفس آکر اس کی سنجیدگی دس گنا بڑھ گئی تھی۔

آفس کی بلڈنگ دیکھ کر ہی دنگ رہ گئی تھی اور اس پہ یہ قیامت کہ بلڈنگ کے ماتھے پہ "حیدر" لکھا ہوا تھا۔

"آئیے میڈم۔۔۔ آپ رک کیوں گئیں؟" شوفر نے قریب آکر متوجہ کیا تھا اور ماورا بڑی ہمت اور بڑے حوصلے سے ایک گہری سانس خارج کرتی بلڈنگ سے نظریں ہٹا کر اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس حسن زادی سے کہو نا تم
اس خاک زادے کو ہم سفر کرلے

"ویلکم ٹو کراچی۔۔۔" وہ اپنے کیبن میں کھڑی اک سرسری سا جائزہ لے رہی تھی۔ جب اچانک اس کے عقب سے اک بہت ہی پرسکون اور گمبھیر آواز ابھری تھی۔ وہ اک سیکنڈ میں پہچان گئی تھی کہ یہ آواز تیمور حیدر کی ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی سمت بڑے سکون سے پلٹی تھی۔

"تھینک یو۔۔۔" اس نے کہتے ہوئے تیمور حیدر کے ہاتھ میں تھاما ہوا بکے تھام لیا تھا۔ بہت ہی خوب صورت پھولوں سے سجا یہ بکے تیمور حیدر کے جذبات کی تازگی اور سرشاری کا اظہار کر رہا تھا۔ ماورا نے بھی یہ اظہار قبول کرنے میں ذرا دیر نہیں لگائی تھی۔

"کیسی ہیں؟" تیمور کی نظریں بے اختیار اس کے چہرے کی سمت اٹھی تھیں اور اک نظر دیکھ کر ہی دل پہ قرار کی پھوار برسی تھی۔

"اچھی ہوں۔۔۔" ماورا آہستگی سے کہتی پھولوں کا بکے ٹیبل پہ رکھ کر اس میں سے چند کلیاں نکالنے لگی۔

"سفر کیسا رہا؟" وہ اس کے خوب صورت مخروطی ہاتھوں میں پکڑی پھولوں کی کلیوں کو دیکھنے لگا۔

"کامیاب۔۔۔" اس کا جواب خاصا عجیب تھا۔

"کامیاب یا اچھا۔۔۔؟" تیمور کو اس کے جواب پر حیرت ہوئی تھی۔

"کامیاب۔۔۔ کیونکہ مجھے سفر کے اچھے یا برے ہونے سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔۔۔ میں بخیریت کراچی پہنچ گئی۔ میرے لیے یہی میری کامیابی تھی۔ اس لیے یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ سفر کامیاب رہا۔"

ماورا نے ذرا تفصیلی جواب دیا تو تیمور حیدر بھی سرہلانے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ویسے کراچی کیسا لگا؟" اس نے اگلا سوال پوچھا اور ماورا ہاتھ میں پکڑی پھولوں کی کلیوں کو ٹیبل کی سائیڈ پہ رکھے لمبے سے نازک کرسٹل کے گلدان میں سجانے لگی تھی۔ وہ خالی گلدان تین' چار کلیوں سے ہی سج گیا۔

"ابھی تو میں نے یہاں صرف قدم نکالے ہیں۔۔۔ ابھی میں نے کراچی دیکھا ہی کب ہے؟" اس نے پلٹ کر تیمور کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دکھاؤں کراچی، چلیں گی میرے ساتھ؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"نو تھینکس۔۔۔ میں کراچی خود دیکھوں گی۔۔۔ اپنی نظر اور اپنے نظریے سے۔"

"اوہ۔۔۔ یعنی میرے ساتھ نہیں دیکھیں گی؟" وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔

"ہوں۔۔۔ یہی سمجھ لیں۔" وہ ہنوز لاپروا تھی۔

"اوکے۔۔۔ اچھی بات ہے' مگر پھر بھی کسی راستے یا کسی موڑ پہ میری ضرورت پڑے تو میں حاضر ہوں۔" وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہر بار سر تسلیم خم کر دیتا تھا۔

"اب آپ کا اگلا سوال یقیناً" یہی ہو گا کہ کراچی کو میں کیسی لگی؟" ماورا نے جان بوجھ کر اسے چھیڑنے کی کوشش کی تھی۔ اور تیمور اس کی اس کوشش پہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"نہیں۔۔۔ یہ سوال تو اب میں کراچی والوں سے ہی کروں گا۔۔۔ آپ سے نہیں۔" تیمور نے مسکرا کر کہتے ہوئے نفی میں سرہلایا۔

"اوکے۔۔۔ مجھے بھی بتا دیجیے گا کہ کراچی والوں نے میرے بارے میں کیا جواب دیا آپ کو۔۔۔"

"شیور۔۔۔ ضرور بتاؤں گا۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔

"اینی وے۔۔۔ فی الحال آپ مجھے یہ بتا دیں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میرا کام وغیرہ۔۔۔" ماورا اب اپنے مقصد کی طرف آگئی تھی۔

"آپ نے کیا کرنا ہے، ہوں۔۔۔ آیئے میرے ساتھ۔۔۔ اور اپنی فائل بھی لے لیجیے۔" تیمور چند سیکنڈز سوچتے ہوئے بولا اور اسے اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر اس کے کیبن سے نکل گیا' ماورا اپنا بیگ اور اپنی فائل لے کر اس کے پیچھے اس کے کمرے میں ہی آگئی تھی۔

اس کی پی اے اور اس کے منیجر صاحب بھی وہیں تھے۔ تعارف کے بعد اس کی ان لوگوں کے ساتھ تقریباً" ایک گھنٹہ میٹنگ ہوئی تھی۔ تیمور نے ماورا کے تیار کردہ کئی ڈیزائن دیکھے اور سلیکٹ کیے تھے۔ اس کا کام ایسا تھا کہ تیمور کئی بار متاثر ہوا اور کئی بار اس نے اس کے کام کو سراہا تھا۔

تین سال کے ایگری منٹ کے بعد ماورا کی جاب اوکے ہو گئی تھی اور ماورا نے اگلے آدھے گھنٹے میں اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ولید اپنے ایک پروگرام کی ریکارڈنگ میں مصروف تھا۔

ایک آخری نیوز چل رہی تھی' جب اس کی نظر شیشے کے دروازے کے پار گئی جہاں ملازم کے پاس کھڑی عزت حیدر یقیناً" اسی کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کر رہی تھی۔ اسے اس طرح نیوز چینل کے آفس میں یوں اس کے متعلق پوچھتے دیکھ کر ولید کا دماغ گھوم گیا۔

"ولید۔۔۔ ولید۔۔۔ کہاں دیکھ رہے ہو؟ ادھر دیکھو سامنے۔" کیمرامین نے اسے متوجہ کیا مگر ولید سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"جسٹ فائیو منٹس یار۔۔۔ میں ابھی آیا۔" اس نے بڑے التجائیہ سے انداز میں کہا تھا۔

"لیکن یہ کام۔۔۔" کیمرامین نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر ولید دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہال کمرے کے احاطے سے باہر آگیا جہاں عزت حیدر ابھی بھی ملازم کے ساتھ الجھ رہی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ میں یہاں ہوں۔۔۔" ولید نے بڑی سنجیدگی اور بڑی عجلت کے ساتھ اسے متوجہ کیا تھا۔

عزت ولید رحمٰن کی آواز سن کر یک دم اس کی سمت پلٹی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" عزت نے بھی بڑے سنجیدہ موڈ میں اسے ہیلو کہا تھا۔ جس پہ ولید ایک لمحے کے لیے چونکا بھی۔ کیونکہ عزت حیدر آج تک اسے اس موڈ میں ذرا کم ہی نظر آئی تھی۔

"خیریت۔۔۔؟" اس کے موڈ کے پیش نظر ہی ولید اس سے خیریت پوچھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ اس پہ غصہ کرنے والا تھا کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس نے سیدھی سیدھی بات کہی۔

"بات فون پہ بھی ہو سکتی تھی۔" ولید نے نارمل انداز اپنایا۔

"تمہارا فون آف جا رہا تھا۔" عزت نے اس کا یہ اعتراض بھی دور کر دیا۔

"میں بزی تھا۔" ولید نے بے ساختہ اپنے موبائل کی تسلی کرنے کے لیے اپنی پینٹ کی جیبوں کو ٹٹولا۔

"اور اب۔۔۔؟" عزت نے ابھی کا پوچھا۔

"اب بھی بزی ہوں۔۔۔ کام ادھورا چھوڑ کر آیا ہوں۔۔۔" اس نے شیشے کے پار اندر کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن اس وقت میری بات آپ کے کام سے زیادہ اہم ہے۔۔۔ اسی لیے پلیز پہلے میری بات سن لیں۔" عزت اسے مخاطب کرنے کے حوالے سے کبھی بھی توازن نہیں رکھ پائی تھی۔ کبھی آپ کہہ لیتی تھی اور کبھی تم تک پہنچ جاتی تھی۔

"بس چند منٹ۔۔۔" اس نے وقت مانگا۔

"چند منٹ۔۔۔ مطلب چند منٹ۔" عزت نے زور دے کر کہا۔

"اوکے۔۔۔ آپ انتظار کریں۔۔۔ میں ابھی آیا۔" ولید عجلت میں کہہ کر واپس بھاگا۔ جہاں سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"ولید۔۔۔ یہ کیا سلسلہ ہے یار۔۔۔؟" وہاں کام پہ موجود سب ہی لوگوں نے اعتراض کیا تھا۔ لیکن ولید سنی ان سنی کر کے اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

میں نعرۂ مستانہ
میں شوخیٔ رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں
پی کر بھی کہاں جانا۔۔۔
میں شمع فروزاں ہوں
میں آتش لرزاں ہوں
میں سوزش ہجراں ہوں
میں منزل پروانہ
میں نعرۂ مستانہ۔۔۔

وہ گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے ہمیشہ کی طرح عابدہ پروین کا نعرۂ مستانہ اونچی آواز میں سن رہی تھی۔ جب ولید اپنا کام ختم کر کے تقریباً "پون گھنٹے میں" واپس آیا تھا اور اسے باہر پارکنگ میں ہنوز اپنے انتظار میں موجود دیکھ کر ولید کے قدموں میں اور زیادہ تیزی آگئی تھی۔ اس نے قریب آکر گاڑی کی کھڑکی پہ دستک دی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" اتنی تیز آواز کے باوجود اس نے دستک سن لی اور گاڑی کا دروازہ بھی کھول دیا۔ مگر ولید نے اس کی پیشکش قبول نہ کی۔

وہ اس سے بات کرنے کی غرض سے ڈرائیونگ سائیڈ پہ ہی کھڑا رہا تھا۔ جس پہ مجبوراً" عزت کو گاڑی کا شیشہ نیچے کرنا پڑا تھا۔

"میری بات اتنی غیر اہم نہیں ہے کہ یوں سڑک پہ کھڑے کھڑے سنا دوں۔" عزت کا لہجہ غصے اور خفگی سے بھر گیا تھا۔

ولید کو مجبوراً" کھلے دروازے کی طرف قدم بڑھانے پڑ گئے اور پھر جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھا' عزت نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔

ولید کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گیا تھا۔

عابدہ پروین کا نعرۂ مستانہ اب بھی گونج رہا تھا۔ جس کو ولید نے ہاتھ بڑھا کر اپنی طرح خاموش کرا دیا تھا۔

اور یہ خاموشی تب تک قائم رہی' جب تک وہ لوگ شہر کے ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں نہ پہنچ گئے تھے۔

وہ گاڑی مقفل کر کے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھی ولید کسی سدھائے ہوئے بیل کی طرح چلتا اس کے پیچھے پیچھے اندر گیا تھا۔

ایک الگ کیبن کی ٹیبل اور کرسیوں پہ بیٹھتے ہوئے۔

ولید نے اپنی نظریں عزت حیدر کے چہرے پہ جما دیں۔ جو عین اس کے سامنے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"مجھے پتا ہے تم منتظر ہو۔۔۔" اس نے بہت دیر بعد لب کشائی کی۔

"میں پریشان بھی ہوں۔" ولید نے انتظار کے علاوہ بھی اپنی کیفیت بیان کی۔

"تو پھر اندازہ کرو۔۔۔ جس بات کو سننے سے پہلے ہی تم اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اس بات کو سن کر میری پریشانی کا عالم بھلا کیا ہو گا۔" اس نے استہزائیہ سے انداز میں کہا۔

"لیکن کچھ پتا بھی تو چلے۔" ولید واقعی اچھا خاصا پریشان اور متجسس ہو گیا تھا۔

"مونس مرزا کو جانتے ہو؟" اس نے بات شروع کی۔

"دیکھا ہے۔۔۔ جانتا نہیں ہوں۔" ولید نے مونس مرزا کو آفاق کی شادی میں دیکھا تھا۔ تیمور نے اس کے بارے میں بتایا تھا۔

"میرے بابا کے ایک بیسٹ فرینڈ کا بیٹا ہے۔" وہ مزید گویا ہوئی۔

"پھر۔۔۔؟" وہ کھٹک گیا۔

"بابا ان لوگوں کے ساتھ بہت کلوز ہیں بہت پسند کرتے ہیں ان کو۔"

"ہوں۔۔۔ مگر اس بات سے میرا کیا تعلق ہے؟" وہ جان بوجھ کر انجان بنا۔

"تمہارا تعلق یہ ہے کہ تم تیمور حیدر کے بیسٹ فرینڈ ہو۔۔۔ اور میں اپنے بابا کے دوست کی فیملی کے بجائے اپنے بھائی کے دوست کی فیملی میں انٹرسٹڈ ہوں۔ مجھے مونس مرزا کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میری تمام دلچسپیوں کا مرکز ولید رحمن ہے۔۔۔ وہ ولید رحمٰن جو میرے سائے سے بھی بھاگتا پھرتا ہے۔۔۔ جس کے لیے میرے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھنا بھی محال ہے۔۔۔ جو دنیا سے بھی ڈر رہا ہے اور مجھ سے بھی۔۔۔ جو نہ اپنا بن رہا ہے اور نہ میرا۔" عزت کہتے کہتے روہانسی سی ہو گئی تھی اور ولید یک دم غصے سے پھٹ پڑا تھا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم۔ سارے ڈر۔۔۔ سارے خوف پھینک دوں۔۔۔ جینا دشوار کر لوں اپنا بھی اور تمہارا بھی۔۔۔ میری نظر میں تم ابھی بچی ہو۔۔۔ تمہیں ابھی اپنے سینے کے اندر دھڑکتا خون کا سرخ لوتھڑا نظر آ رہا ہے۔ اس دنیا کی سیاہی کا تو تمہیں علم ہی نہیں ہے۔ جہاں خون کے سرخ لوتھڑے دھڑکنا شروع کرتے ہیں۔ وہیں اس دنیا کے ستم ٹوٹنے لگتے ہیں۔۔۔ اور میں ڈرتا ہوں تمہاری معصومیت سے۔۔۔ تمہارے جذبات سے۔۔۔ تمہاری محبت سے اور محبت کی شدت سے۔۔۔ کیونکہ جہاں پہ معصومیت' جذبات' محبت اور شدت زیادہ ہوتی ہے وہیں آزمائش زیادہ ہوتی ہے اور وہیں شکار بھی زیادہ ہوتے ہیں۔۔۔ تمہارے اور میرے جیسے کئی لیلیٰ مجنوں یہ دنیا بہت پہلے ہی نگل چکی ہے۔۔۔ ہم کوئی نئے نہیں ہیں اور میں اسی واسطے چپ ہوں کہ شاید تم بھی چپ ہو جاؤ۔۔۔ اور دنیا کا یہ وار خالی چلا جائے۔۔۔ مگر تم ہو کہ۔۔۔"

ولید نے کہتے ہوئے خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

"میں کیسے چپ ہو جاؤں۔ کیسے؟ مونس مرزا میرے گھر پروپوزل بھیج رہا ہے۔" عزت بے بسی سے چیخ اٹھی اور ولید پروپوزل کا سن کر یک دم چونک گیا تھا۔

اور پھر اگلے چند سیکنڈز وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔

"میں تمہاری طرح چپ نہیں سادھ سکتی۔۔۔ یہ دنیا مجھے نگلتی ہے تو نگل جائے۔۔۔ میری محبت اور میری شدت بس وہی رہے گی۔۔۔ ولید رحمن۔۔۔ اور صرف ولید رحمن۔۔۔"

عزت نے با آواز بلند اپنا فیصلہ سنایا تھا اور ولید اس کے فیصلے پہ چکرا گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)